RAHAT-UL-QULOOB
Bi-Annual, Trilingual (Arabic, English, Urdu) ISSN: (P) 2025-5021. (E) 2521-2869
Project of **RAHATULQULOOB RESEARCH ACADEMY,**
Jamiat road, Khiljiabad, near Pak-Turk School, link Spini road, Quetta, Pakistan.
Website: www.rahatulquloob.com
Approved by Higher Education Commission Pakistan
Indexing: » Australian Islamic Library, IRI (AIOU), Tahqeeqat, Asian Research Index, Crossref, Euro pub, MIAR, ISI, SIS.

TOPIC

شریعت اسلامیہ کی روشنی میں مسلم۔مسیحی معاشرتی تسامح:واقعہ گوجرہ(2009ء)کے محرکات کا تنقیدی جائزہ

Coexistence of Christians and Muslims in the Light of Islamic Shar'ah and Analysis of Dynamics of Gojra Incident

AUTHORS

1. *Dr. Muhammad Ajmal Farooq, Lecturer IRI, IIU, Islamabad*
   Email: ajmal.farooq@iiu.edu.pk
   orcid id: https://orcid.org/0000-0002-6995-5054
2. *Dr. Ihsanullah Chishti, Lecturer IRI, IIU, Islamabad.*
   Email: ihsanullah.chishti@iiu.edu.pk
   orcid id: https://orcid.org/0000-0002-3665-6269

How to Cite: Farooq, Dr. Muhammad Ajmal, and Dr Ihsan Ullah Chishti. 2021. "URDU: شریعت اسلامیہ کی روشنی میں مسلم۔مسیحی معاشرتی تسامح:واقعہ گوجرہ(2009ء)کے محرکات کا تنقیدی جائزہ: Coexistence of Christians and Muslims in the Light of Islamic Shar'ah and Analysis of Dynamics of Gojra Incident". *Rahatulquloob* 5 (1), 121-34. https://doi.org/10.51411/rahat.5.1.2021/164.

URL: http://rahatulquloob.com/index.php/rahat/article/view/164
Vol. 5, No.1 || January–June 2021 ||URDU- P. 121-134
Published online: 04-03-2021

QR. Code

شریعت اسلامیہ کی روشنی میں مسلم- مسیحی معاشرتی تسامح: واقعہ گوجرہ (2009ء) کے محرکات کا تنقیدی جائزہ

Coexistence of Christians and Muslims in the Light of Islamic Shar'ah and Analysis of Dynamics of Gojra Incident

[1] محمد اجمل فاروق، [2] احسان اللہ چشتی

ABSTRACT:

This paper highlights the interpretation of Shariah from the viewpoint of community's need or interests for coexistence of Christians and Muslims in a society. A case study of Gojra incident is presented with lessons learnt from this event. History witness's coexistence of Christians and Muslims since existence of both religions. Therefore, coexistence refers to divine as well as prophetic directions and reflects to living followers with multiple socio-cultural societies of the world. Religion is often considered as a reason of conflict and has been a major driving factor of several past and current tensions among the Christian-Muslim societies. This ultimately spreads tensions in the entire community and pollutes its environment. However, religion escorts integrity in a society by establishing peace and reconciliation procedure. With the passage of time, violence under the umbrella of holy causes is gradually rising. Slaughtering in the name of God is a primary driver of violent conflicts nowadays. Same situation exists in Christian and Muslim communities in Muslim majority countries especially in Pakistan. The mentioned factors flame the conflicts among Christians-Muslims like at Gojra, Pakistan. This tragic incident took lives of seven Christians and injured 20. Moreover, more than 75 Christian houses were burnt by patrol or chemical. This research is intended to investigate many key questions associated with this incident to address this event in a more scientific and professional manner.

Keywords: Christian-Muslim relations, Coexistence, Religious tension, Nonviolence, Communal tension.

مقدمہ:

شریعت محمدی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام اللہ تعالی کی طرف سے بھیجے گئے مختلف ادوار میں انسانی راہنمائی کے کڑیوں میں سے آخری کڑی ہے جس کے بعد یہ سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوا، یہ خصوصیت اس بات کی متقاضی ہے کہ یہ شریعت، اس کے احکامات اور اس کا پیغام، جامع اور آفاقی بنیادوں پر استوار ہو تا کہ یہ ہر خطے، رنگ، نسل اور مذہب کے ماننے والوں کو نہ صرف اپنی طرف کھینچ لائے بلکہ انہیں اس کے ثمرات ابدیہ سمیٹنے کا بھرپور موقع فراہم کرے۔ اسی وجہ سے اللہ جل شانہ نے شریعت محمدی ﷺ کے احکامات کو عالمگیریت کا حامل اور تا قیامت آنے والے انسانوں کے لئے قابل عمل بنایا۔ چنانچہ انسان دوستی اور باہمی رواداری کو اس کا اساس بنایا گیا جس کا اظہار حجۃ الوداع کے موقع پر کھلم کھلا اعلان میں کیا گیا کہ کسی عربی کو عجمی پر کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، بلکہ فضیلت کا معیار تقویٰ اور بنیادی انسانی اقدار پر کاربند رہنے کو قرار دیا گیا۔ مزید بر آں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود اس امت کے سامنے عملی نمونہ پیش کیا

کہ حسن معاشرت بہر حال مقصود و مطلوب ہے اور اس بابت کسی کے مذہبی وابستگی، معاشی حیثیت یا نسبی تفوق کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ انسان بحیثیت انسان ہونے کے قابل احترام اور مکرم و معزز ہے۔ عصر حاضر میں مختلف سیاسی، معاشی اور معاشرتی وجوہات کی بناء پر انسانی معاشرے بالعموم جب کہ مسلم معاشرہ بالخصوص ان اعلیٰ اخلاقی اقدار سے عاری نظر آرہے ہیں، جس کی مثال عہد رسالت مآب ﷺ اور اس کے بعد کے اسلامی ادوار میں کئی صدیوں تک تاریخی حقیقیت کے طور پر جاری و ساری رہا ہے۔ اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ آج کے دور میں ان اعلیٰ اخلاقی اور معاشرتی اقدار کی بابت علمی اور عملی طور پر شعوری بیداری کی کاوشیں منصہ شہود پر لائی جائے۔ اس مقالے کا تعلق بھی پاکستان میں بالخصوص اور بین الاقوامی سطح پر بالعموم مسلم مسیحی تعلقات کے ساتھ ہے کیونکہ مختلف قسم کے رونما ہونے والے دلخراش واقعات جہاں معاشرتی ناخوشگواریوں کا سبب بنتے ہے وہاں اس کا نفسیاتی اثر بھی بچوں اور معاشرے کے دیگر کمزور طبقات پر پڑتا ہے اس لئے اس مقالے میں واقعہ گوجرہ کو بطور کیس سٹڈی سامنے رکھا گیا ہے۔

غیر مسلموں کے ساتھ تعلق کے لئے قرآن کے عمومی معاشرتی اصول:

شریعت اسلامیہ دوسرے ادیان اور مذاہب کے وجود کو تسلیم کرنے میں کسی بھی قسم کے تردد کا شکار نہیں بلکہ اس کے اولین مصدر قرآن پاک میں جہاں دوسرے ادیان سماویہ اور غیر سماویہ کا تذکرہ موجود ہے وہاں ان ادیان کے ماننے والوں کے عقائد اور ان کے مذہبی رجحانات بھی بیان ہوئے ہیں کیونکہ دین کی مضبوط بنیاد دوسرے دین کے وجود کو تسلیم کرنے سے متزلزل نہیں ہوتی اس لئے قرآن نے التسامح الدینی[1] کا قاعدہ دین اسلام کے وجود کی بنیاد بنایا ہے۔ البتہ دوسرے مذاہب سے تعلقات کی بابت قرآن کریم کی تعلیمات مختلف اصولوں پر مبنی ہے، جس طرح کہ قرآن نے ایک اہم اصول بیان کیا ہے کہ: لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ[2]۔ دین میں کوئی زبردستی نہیں۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ مسلمان ریاست میں بسنے والے غیر مسلم یا غیر مسلم ریاست کا غیر مسلم باشندہ بزور قوت اور جبر کے دائرہ اسلام میں داخل نہیں کیا جائے گا بلکہ ہر کوئی اپنے عقیدے کے لحاظ سے آزاد ہے اور اس سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے جب تک وہ خود اسلام کی حقانیت کو سمجھ کر دائرہ اسلام میں داخل نہ ہو جائے۔ اس عمومی قاعدہ میں عیسائی، یہودی اور تمام ادیان کے متبعین شامل ہیں۔ اسی اصول کی مزید وضاحت ایک اور آیت کریمہ میں یوں بیان کی گئی ہے: [3]لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ[4] (تمہارا دین تمہارے لیے اور میرا دین میرے لیے)۔

یہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ اصول ہے کہ حق و باطل کے اختیار میں انسان آزاد ہے، جس کی بنیاد پر اسلامی سلطنت میں رہتے ہوئے ایک مسلمان کو اپنا دین بزورِ شمشیر رائج کرنے سے روک دیا۔ ایک اور آیت مبارکہ میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بڑے خوبصورت انداز میں اس حقیقت کے بارے میں متنبہ کیا ہے کہ آپ کا رب ایسا نہیں چاہتا کہ وہ جبراً کسی کو ایمان کی طرف لے آئے۔ جیسا کہ ارشاد مبارک ہے:

وَلَوْ شَاۗءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلھم جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ''[5]

ترجمہ: اور اگر آپ کا رب چاہتا تو ضرور سب کے سب لوگ جو زمین میں آباد ہیں ایمان لے آتے، (جب رب نے انہیں جبراً مؤمن نہیں بنایا) تو کیا آپ لوگوں پر جبر کریں گے یہاں تک کہ وہ مومن ہو جائیں۔

یہ قرآنی اصول کہ "دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں" اسلام کی شناخت بن گیا ہے، یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے

اپنی اس شناخت کو قائم رکھا۔ تاکہ اسلام ایک خاص قسم کے اعتراض سے محفوظ رہے۔ جیسے ایک مغربی سکالر اسلام کی اس شناخت کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''Muslims did not seek to convert people to their faith by force, but they did seek to remove all obstacles, especially infidel governments, from the path to conversion.[6] ''

اسلامی تاریخ میں لوگوں کو بالجبر اپنے دین کی طرف لانے کی کوشش کسی کبھی بھی نہیں کی، لیکن یہ کوشش کی ہے کہ وہ تمام حالات ختم ہو جائیں، خصوصی طور پر ملحد حکومتیں، جو اُنھیں تبدیلیٔ دین سے روکتے تھے۔

مسیحیت سے متعلق قرآن کی تصریحات:

دیگر ادیان کے پیروکاروں میں سے مسیحی برادری کو قرآن نے خاص فوقیت عطا کی ہے۔ اُن کو نصاریٰ اور اھلِ کتاب جیسے اسماء سے موسوم کیا ہے اُن کے لیے تعریفی اور توصیفی کلمات استعمال کیے۔ اُن میں سے ایک گروہ کے ایمان، عبادت اور عمل خیر کی توثیق بھی کی ہے۔

لَيْسُوْا سَوَاۗءً ۭ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وھم يَسْجُدُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ -[7]

ترجمہ: یہ سب برابر نہیں ہیں، اہلِ کتاب میں سے کچھ لوگ حق پر (بھی) قائم ہیں وہ رات کی ساعتوں میں اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور سربسجود رہتے ہیں۔ وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں، بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں اور نیک کاموں میں تیزی سے بڑھتے ہیں، اور یہی لوگ نیکوکاروں میں سے ہیں۔

مسیحی افراد کی ایسی ہی جماعت کو اللہ نے اعتدال پسند کہا۔ مِّنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ[8]۔ ان میں سے ایک گروہ میانہ رَو (یعنی اعتدال پسند) ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی اتباع کرنے کے سبب اُن کے متبعین کو صاحب رأفت ورحمت کہا:

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓي اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً[9]

ترجمہ: اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ ابنِ مریم (علیہما السلام) کو بھیجا اور ہم نے اُسے انجیل عطا کی اور ہم نے اُن لوگوں کے دلوں میں جو اُن کی (عیسیٰ علیہ السلام کی صحیح) پیروی کر رہے تھے شفقت اور رحمت پیدا کر دی۔

شاید اسی نرمی اور رحمت کے سبب مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دی گئی ہو جس کے متعلق فرمایا: هي أرض صدق[10] (وہ سچائی کی سرزمین ہے)۔ قرآن نے دیگر اقوام سے مسیحی قوم کو امتیاز اور اختصاص عطا کیا ہے کہ اُن کا قلبی تعلق مسلمانوں کی طرف زیادہ ہے یہ اس وجہ سے ہے کہ اُن کے علما اور درویش تکبر نہیں کرتے چنانچہ ارشاد مبارک ہے:

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الیھودَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ -[11]

ترجمہ: آپ یقیناً ایمان والوں کے حق میں بلحاظِ عداوت سب لوگوں سے زیادہ سخت یہودیوں اور مشرکوں کو پائیں گے، اور آپ یقیناً ایمان والوں کے حق میں بلحاظِ محبت سب سے قریب تر ان لوگوں کو پائیں گے جو کہتے ہیں: بیشک ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس لئے کہ ان میں علماء

ہیں اور (عبادت گزار) گوشہ نشین بھی ہیں اور (نیز) وہ تکبر نہیں کرتے۔

امام طبری لکھتے ہیں کہ اھل کتاب میں سے کچھ لوگ تھے جو سختی سے عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر کاربند تھے یہ آیت اُنھیں لوگوں کے لیے نازل ہوئی[12]۔ لیکن یہود و مشرکین کی مسلمانوں کے ساتھ سخت عداوت کے سبب نصاریٰ کی مؤدت کو خاص مقام حاصل ہوا ہے۔ جس کا اظہار تاریخ کے مختلف ادوار میں پایا جاتا ہے۔ حبشہ میں مسلمانوں کی سکونت، اہلِ نجران کا اسلام کی طرف راغب ہونا اور نجاشی کا رسول اللہ ﷺ کے خط کو ادب و احترام سے قبول کرنا، اھلِ نصاریٰ کی مؤدت کے سبب تھا۔ مسلمانوں کی مذہبی کتاب کو "ھدایۃ"، "نور"[13] اور مُصَدِّقاً لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ[14] قرار دیا تو مسیحی قوم کی مذہبی کتاب "انجیل کو بھی اسی طرح کے القابات اور اوصاف کے ساتھ ذکر کیا۔

وَقَفَّيْنَا عَلَى آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ[15]

ترجمہ: اور ہم نے ان (پیغمبروں) کے پیچھے ان (ہی) کے نقوشِ قدم پر عیسیٰ ابن مریم (علیہما السلام) کو بھیجا جو اپنے سے پہلے کی (کتاب) تورات کی تصدیق کرنے والے تھے اور ہم نے ان کو انجیل عطا کی جس میں "ہدایت" اور "نور" تھا اور (یہ انجیل بھی) اپنے سے پہلے کی (کتاب) تورات کی "تصدیق کرنے والی" (تھی) اور ہدایت تھی اور پرہیز گاروں کے لئے نصیحت تھی۔

اس لیے کہ قرآن کی طرح انجیل بھی ایک آسمانی کتاب ہے۔ اس میں بھی وہی خوبیاں ہیں جن سے قرآن کو مزیّن کر کے اتارا گیا ہے۔ قرآن، اسلام کی مقدس کتاب ہے جس میں مسیحی دین کی مقدس کتاب انجیل کے لیے توصیفی کلمات ذکر کیے گئے ہیں۔ یہ دینِ اسلام کی رواداری اور برداشت ہے جس کا سبق مسلمانوں کو دیا گیا۔ معاشرے میں رہتے ہوئے جب مسیحی قوم کو کسی نزاع کا سامنا کرنا پڑے تو وہ اپنی کتاب کے مطابق فیصلہ بھی کر سکتے ہیں اور مسلم حکمران انجیل کے مطابق فیصلہ کو یقینی بنائیں۔

وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنجِيلِ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فِيهِ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ[16]

ترجمہ: اور اہلِ انجیل کو (بھی) اس (حکم) کے مطابق فیصلہ کرنا چاہئے جو اللہ نے اس میں نازل فرمایا ہے، اور جو شخص اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرے سو وہی لوگ فاسق ہیں۔

پھر قرآن رسول اللہ ﷺ کو ایک آفاقی، پر امن اور جامعیت پر مبنی تعلیمات سے نوازتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم انبیا پر ایمان رکھتے ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں کرتے اور ہم سب اُس اللہ کے فرمانبردار ہیں۔ اہلِ کتاب میں سے کوئی گروہ بھی اِن مبادیات اور عقائد کا انکار نہیں کر سکتا، یہ اساس قرآنی الفاظ میں یوں بیان کیا گیا ہے: قُلْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَى وَعِيسَى وَالنَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ[17]

ترجمہ: آپ فرمائیں: ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں اور جو کچھ ہم پر اتارا گیا ہے اور جو کچھ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد پر اتارا گیا ہے اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ اور جملہ انبیاء (علیہم السلام) کو ان کے رب کی طرف سے عطا کیا گیا ہے (سب پر ایمان لائے ہیں)، ہم ان میں سے کسی پر بھی ایمان میں فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے تابع فرمان ہیں۔

مسلمانوں کا ایمان اُس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک وہ مسیح، سابقہ تمام انبیأ علیہم الصللاۃ والسلام اور ان پر نازل کردہ کتب پر ایمان نہ لائیں یہ ایک مسلمان کے ایمان کی بنیاد ہے۔ تحمل، برداشت اور رواداری کے دروس کے باوجود جب مسیحی برادری کے کسی فرد کو حق سے آگاہ کرنا مقصود ہو تو اس کیلئے انداز اور منہج کیسا ہو! یہ ایک نبوی مشن ہے اِس کیلئے انداز بھی حُسنِ کلام اور حُسنِ اخلاق سے لبریز ہو، قرآن نے راہنمائی کی ہے کہ: وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا بِالَّذِي أُنزِلَ إِلَيْنَا وَأُنزِلَ إِلَيْكُمْ وَإِلَٰهُنَا وَإِلَٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ [18]

ترجمہ: اور (اے مومنو!) اہلِ کتاب سے نہ جھگڑا کرو مگر ایسے طریقہ سے جو بہتر ہو سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا، اور (ان سے) کہہ دو کہ ہم اس (کتاب) پر ایمان لائے (ہیں) جو ہماری طرف اتاری گئی (ہے) اور جو تمہاری طرف اتاری گئی تھی، اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہی ہے، اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں مستعمل صیغہ "اَحسن" اسم تفضیل کا ہے جس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ترجیحی بنیادوں پر، اخلاق سے بھرپور تکنیک اور رویہ اختیار کیا جائے۔ جس سے معاشرے کے امن وسکون کو نقصان پہنچے نہ ہی مسیحی برادری اپنے آپ کو غیر محفوظ خیال کرے۔ اہلِ ایمان کو دونوں اقوام (مسلم و مسیح) میں مشترک بنیادوں پر مجادلہ و مکالمہ کرنے کا اشارہ دیا ہے۔ اِس اشتراک میں اپنائیت اور قرب کا رجحان پایا جائے، تاکہ مسیحی برادری کے افراد مسلم معاشرے میں رہتے ہوئے اجنبیت محسوس نہ کرے۔ "وَإِلَٰهُنَا وَإِلَٰهُكُمْ وَاحِدٌ" کے خوشگوار انداز میں توحید پر اشتراک کا ذکر ہے، جس نے دین کے نام پر ہونے والے تمام فسادات کی بنیاد کو ختم کر دیا۔ علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے شام کے مسیحی بادشاہ "ھرقل" کو جب اسلام کی دعوت دی تو اِسی مشترک اور یکساں بنیاد کا ذکر کیا اور یہ اَیت لکھی [19]--قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ [20]۔ مقصود یہ تھا کہ دعوت الی اللہ کی خاطر ہمارے اور اُس کے درمیان ایک قدر مشترک ہے وہ توحید اور اللہ کی عبادت ہے، جس کی بنیاد پر مسلم- مسیحی پُر امن معاشرت قائم ہو سکتی ہے۔

سیرت رسول ﷺ کی روشنی میں مسلم۔ مسیحی معاشرت:

چھٹی صدی عیسوی میں، ابتداء وحی کے وقت نہ صرف ورقہ بن نوفل بلکہ مسیحی علماء کی ایک جماعت تھی جو مکہ میں رہائش پذیر تھے۔ قریش اپنے دینی معاملات میں اُن سے راہنمائی لیتے تھے [21]۔ اسی سبب سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پہلی وحی کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے کر گئی تھیں یہ ایک تاریخی ثبوت ہے کہ وحی سے متعلق پہلی واقفیت اور آگاہی رسول اللہ ﷺ کو ایک عیسائی عالم نے دی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبرِ اسلام ﷺ کے اعلان نبوت کے وقت مکہ میں مختلف الادیان معاشرہ تشکیل پا چکا تھا جس میں یہودی، عیسائی، مشرکین، مجوس، ملحدین وغیرہ شامل تھے۔

ہجرتِ حبشہ کے موقع پر جب حضرت جعفر بن اَبی طالبؓ کو نجاشی نے اپنے دربار میں دینِ اسلام کی تعریف کرنے کیلئے کہا تو ابن ھشام کے مطابق، نجاشی نے اس وقت اساقف (عیسائی علماء کی ایک جماعت) کو اپنے دربار میں طلب کر لیا، وہ اپنے مصاحف لے کر آئے۔ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے قرآنی اٰیات کی تلاوت کی، جسے سن کر نجاشی بھی رویا جس سے اسکی داڑھی تر ہو گئی اور اساقف بھی روئے جس

سے انکے مصاحف کے اوراق گیلے ہو گئے[22]۔ تب نجاشی نے آزادی سے مسلمانوں کو حبشہ میں رہنے کی اجازت دی۔ یہ ایک مسیحی۔ مسلم پُرامن معاشرت کی عظیم مثال ہے۔ نجاشی کی فتح یابی کے لیے مسلمان دعائیں کرتے ہیں اور جب وہ فتحیاب ہو جاتا ہے تو مسلمان خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی حبشہ میں پُرامن معاشرت اور تبلیغ کے اثرات نجران تک پہنچ گئے۔ سیرتِ ابنِ ھشام میں، ابن اسحاق کے حوالہ سے مذکور ہے کہ اھلِ نجران سے بیس افراد کے قریب نصاریٰ کا ایک وفد[23] جن کا حبشہ کی طرف آنا جانا تھا رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور قرآن کی اٰیات بینات سن کر مسلمان ہوئے جب ابوجہل نے مداخلت کی تو انہوں نے جواب دیا: سلام علیکم، لا نجاھلکم، لنا ما نحن علیه، ولکم ما أنتم علیه[24] (تم پر سلامتی ہو ہم تمہارے بارے میں ناواقف نہیں ہیں، ہم جس پر ہیں وہ ہمارے لیے ہے اور تم جس پر ہو وہ تمہارے لیے ہے)۔ ابن ہشام لکھتے ہیں اللہ رب العزت نے تب یہ اٰیت نازل فرمائی: وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ[25]۔ اور جب وہ کوئی بیہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال، تم پر سلامتی ہو ہم جاہلوں (کے فکر و عمل) کو (اپنانا) نہیں چاہتے۔

پیغمبرِ اسلام ﷺ جب مدینہ میں اسلامی معاشرہ تشکیل دے رہے تھے تو نجران کے مسیحی صلح کیلئے مدینہ حاضر ہوئے، طویل کلامی بحث ہوئی، بعد آزاں رسول اللہ ﷺ نے مسجدِ نبوی میں نماز ادا فرمائی، سیرتِ ابنِ ھشام کے مطابق، آپ ﷺ نے اُن کو بھی مسجدِ نبوی میں نماز ادا کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ تاریخ کی کتب میں اسے "معاہدہ نجران" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ وفدِ نجران (جن میں مسیحی مذہبی اور سیاسی شخصیات شامل تھیں) کے ساتھ ہونے والا معاہدہ مسلم۔ مسیحی معاشرت کے حوالہ سے شریعت اسلامیہ کے بہت سے اصول وضوابط کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ اِسے ابنِ ھشام کے علاوہ دیگر مؤرخین نے بھی ذکر کیا ہے چنانچہ ذیل عبارت میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے: وَلِنَجْرَانَ وَحَاشِيَتِهَا ذِمّة اللهِ وَذِمّة مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ رَسُوْلِ اللهِ، عَلَى دِمَائِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَمِلَّتِهِمْ وَأَرْضِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ وَرهبانيتهم وأساقِفَتِهِمْ وَغَائِبِهِمْ وَشَاهِدِهِمْ وَغَيْرِهِمْ وَبَعْثِهِمْ وَأَمْثِلَتِهِمْ ,لَا يُغَيِّرُ مَا كَانُوا عَلَيْهِ، وَلَا يُغَيِّرُ حَقٌّ مِنْ حُقُوقِهِمْ وَأَمْثِلَتِهِمْ، لَا يُفْتَنُ أُسْقُفٌ مِنْ أُسْقُفِيَتِهِ، وَلَا رَاهِبٌ مِنْ رَهْبَانِيَتِهِ، وَلَا واقه مِنْ وقاهيته، عَلَى مَا تَحْتَ أَيْدِيهِمْ مِنْ قَلِيلٍ أَوْ كَثِيْرٍ، وَلَيْسَ عَلَيْهِمْ رَهَقٌ.[26]

ترجمہ: اللہ اور اُس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اہلِ نجران اور ان کے حلیفوں کے لیے اُن کے خون، ان کی جانوں، ان کے مذہب، ان کی زمینوں، ان کے اموال، ان کے راہبوں اور پادریوں، ان کے موجود اور غیر موجود افراد، ان کے مویشیوں اور قافلوں اور اُن کے استھان (مذہبی ٹھکانے) وغیرہ کے ضامن اور ذمہ دار ہیں۔ جس دین پر وہ ہیں اس سے ان کو نہ پھیرا جائے گا۔ ان کے حقوق اور اُن کی عبادت گاہوں کے حقوق میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے گی۔ نہ کسی پادری کو، نہ کسی راہب کو، نہ کسی سردار کو اور نہ کسی عبادت گاہ کے خادم کو۔ خواہ اس کا عہدہ معمولی ہو یا بڑا۔ اس سے نہیں ہٹایا جائے گا، اور ان کو کوئی خوف وخطر نہ ہو گا۔

اس معاہدہ کے مطابق، مسلم معاشروں میں رہنے والے تمام مسیحیوں کے مذہبی، معاشرتی اور مالی حقوق کی ذمہ داری اللہ جلّ جلالہ اور اسکے رسول ﷺ کے سپرد ہے، اِس معاہدہ کے سبب ماضی میں مسلم۔ مسیحی معاشرت کے لیے کئی پُرامن راہیں ہموار ہوئیں اور شریعتِ اسلامیہ میں اھلِ کتاب کے حوالہ سے کئی پیچیدہ مسائل حل کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اِسی موقع پر نازل ہونے والی آیت مباہلہ کی تفسیر

میں امام ابنِ جریر طبری کی یہ عبارت اس بات کی دلیل ہے کہ معاشرت کے اصول میں کسی برتر اتھارٹی کو اپنے درمیان فیصلہ کرنے والا (قاضی) مان لیا جائے، یہ اُس وقت ہوتا ہے جب اتھارٹی پر اعتماد اور یقین کی فضا قائم ہو، اُس وقت اتھارٹی پیغمبرِ اسلام ﷺ تھے۔ تب ہی تو وفدِ نجران کے عیسائی سردار نے مکمل اعتماد اور یقین سے کہا: ولکن ابعث معنا رجلا من أصحابك ترضاه لنا يحكم بيننا في أشياءَ قد اختلفنا فيها من أموالنا[27] (اپنے اصحاب میں سے کسی ایک کو جسے آپ پسند کرے ہمارے ساتھ روانہ کیجیے کہ وہ ہمارے درمیان، جب مالی معاملات کے جھگڑے ہوں، تو فیصلہ کیا کرے) اس کے بعد جب بھی ملتِ اسلامیہ میں کسی فرمانروا کو مسیحی قوم یا دیگر اقوام کے ساتھ صلح نامہ یا معاہدہ کی ضرورت پڑی تو رسول اللہ ﷺ کے مذکورہ بالا معاہدہ نجران کی تمام جزئیات کو سامنے رکھا گیا۔ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے اہل بیت المقدس (ایلیا) کو جو صلح نامہ لکھ کر دیا اسکے الفاظ بھی تقریباً اُسی طرح ہیں: أعطاهم أمانا لأنفسهم وأموالهم ولكنائسهم وصلبانهم وسقيمها وبريها وسائر ملتها إنه لا يسكن كنائسهم ولا تهدم ولا ينتقص منها ولا من صلبهم ولا من شيئ من أموالهم ولا يكرهون على دينهم ولا يضار أحد منهم[28]

ترجمہ: ان کو امان دی ان کے جان ومال، ان کے کنیسوں، صلیبوں اور انکی ملت کے تندرستوں اور بیماروں کو ہے اور یہ امان اِن کی ساری ملت (ایلیا) کے لیے ہے۔ عہد کیا جاتا ہے کہ ان کے کنیسوں کو مسلمانوں کا مسکن نہ بنایا جائے گا اور نہ ہی ان کو منہدم کیا جائے گا۔ نہ ان کے احاطوں اور ان کی عمارتوں میں کوئی کمی کی جائے گی۔ نہ ان کی صلیبوں اور ان کے اموال میں سے کسی چیز کو نقصان پہنچایا جائے گا ان پر دین کے معاملے میں کوئی جبر نہ کیا جائے گا اور نہ ان میں سے کسی کو ضرر پہنچایا جائے گا۔

میثاقِ مدینہ نے ہر اسلامی مملکت کی بنیادی دستوری حیثیت میں اہم کردار ادا کیا ہے جس میں غیر مسلم (یہود) کے لیے مکمل مذہبی آزادی کی شق کو شامل کیا گیا۔ Hugh Goddard اس شق پر تبصرہ کرتا ہے۔

" we have what might even in modern terms be described as quite a 'liberal' document, in the sense that it seems broadly tolerant of diversity even in matters of religion[29]"

یہ ایک ایسی شق ہے جس کی ہم اس طرح وضاحت کر سکتے ہیں کہ یہ دورِ جدید کا 'لبرل' دستور ہے، وہ اس لیے کہ یہ دینی دائرہ کار میں رہتے ہوئے دیگر ادیان کے لیے وسیع برداشت کا اظہار کرتی ہے۔

بظاہر یہ شق ایک مذہبی لیڈر، پیغمبر اسلام ﷺ کی طرف سے ہے لیکن اپنے دین کو بھی وہی حیثیت دی جو دوسرے گروہ کے دین کو دی، تو آپ ﷺ کا یہ لبرل دستوری انداز معاشرے کے دونوں گروہوں کو برابر کی سطح پر حقوق و فرائض سے آگاہی عطا کرتا ہے۔ اِس میں غیر مسلموں کے لیے حقوق کے ساتھ، اُنھیں فرائض کی ادائیگی کا بھی پابند بنایا گیا ہے، تاکہ ذہنی طور پر وہ اپنے آپ کو اسلامی مملکت کا شہری تصور کرے۔ جب غیر مسلم اپنے حقوق کا مطالبہ اسلامی مملکت سے کریں تو اُنھیں اپنے فرائض کی ادائیگی کا سختی سے احساس ہو، وہ اپنی مذہبی آزادی کو سامنے رکھ کر اسلامی رعایا کی مقدسات کا بھرپور احترام کریں۔ اس طرح کے کئی معاہدے شریعتِ اسلامیہ میں غیر مسلموں کے حقوق کی بنیاد ہیں، جس سبب سے مسیحی برادری کو مسلم معاشروں میں مذہبی، معاشرتی اور معاشی مکمل آزادی رہی ہے۔ نہ صرف یہ کہ وہ اسلامی سلطنت کا حصہ رہے ہیں بلکہ عمالِ حکومت میں اہم عہدوں پر فائز بھی رہے۔

واقعہ گوجرہ کے محرکات کا تجزیاتی مطالعہ

1: واقعہ گوجرہ کی حقیقت: واقعہ گوجرہ کیا ہے؟ گوجرہ پنجاب کا ایک شہر اور ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ کی تحصیل ہے جو کہ فیصل آباد سے ملتان جاتے ہوئے 50 کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ گوجرہ شہر سے 7 کلو میٹر پہلے چک نمبر 362 ج ب، کوریاں گاؤں کے نام سے مشہور ہے، ملتان روڈ پر کوریاں اڈہ سٹاپ ہے جس کے بائیں طرف اضافی آبادی میں عیسائی رہتے ہیں، اُس اضافی آبادی کے ایک مکین طالب مسیح کے بیٹے کی شادی تھی، 25 جولائی 2009ء رات کو رسمِ مہندی تھی، طالب مسیح، ردی کی خرید و فروخت کرتا تھا۔گھر میں آئے مہمان بچے ردی کے کاغذات کے ساتھ کھیلنے لگ گئے، ردی کے اُن اوراق میں سے ایک کتاب پر قرآنی اٰیات لکھی تھیں، بچے اُن اوراق کو ہوا میں اُڑاتے رہے اور گلیوں میں کھیلتے رہے۔اس کے بعد علی الصبح، جب گلی سے گذرتے ہوئے مسلمان لڑکوں نے اُن اوراق کو زمین پر گرے دیکھا تو بات بڑوں تک پہنچائی، اُن میں سے بعض افراد، انجمن تاجران کوریاں اڈہ کے ممبر بھی تھے۔ دوسرے دن انجمن تاجران نے طالب مسیح اور دیگر عیسائی افراد کو بلایا کہ رات کو شادی کے پروگرام میں قرآنی اٰیات کی بے حرمتی کیوں کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں وہ اپنی پوزیشن واضح کریں تاکہ معاملہ سلجھا دیا جائے۔ اسی دوران قرآن کی بے حرمتی کی خبر مقامی علماء کو پہنچی، دو مقامی علما نے اپنی تقاریر میں قرآن کی بے حرمتی کی شدید مذمت کی اور ملزمان کے ساتھ ''سختی'' سے نمٹنے کی طرف اشارہ کیا، جس نے مسلمانوں میں غصہ اور نفرت پیدا کی، جب کہ عیسائی برادری میں خوف اور ڈر کی فضا تھی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں نے احتجاج کیا، اس احتجاج کے دو مراحل تھے۔

پہلے مرحلے میں احتجاج کوریاں اڈہ پر ہوا۔ بعد ازاں احتجاج میں شریک افراد نے گاؤں کی مسیحی اضافی آبادی پر حملہ کر دیا، مسیحی افراد نے گھر خالی کر دیے تھے جس سے جانی نقصان تو نہ ہوا مگر اس حملے میں 57 گھر اور 2 چرچ جل گئے۔ یہ حملہ 30 جولائی 2009ء کو تقریباً 2 بجے دوپہر کو ہوا۔ جب کہ دوسرے مرحلے کا احتجاج یکم اگست 2009ء کو گوجرہ شہر میں ہوا، جو ملکانوالا چوک سے شروع ہو کر ریلوے لائن کے پاس عیسائی کالونی کے سامنے ختم ہونا تھا[30]۔ مگر جونہی احتجاج کرنے والے افراد عیسائی کالونی کے سامنے پہنچے تو چھتوں پر بیٹھے افراد نے ہجوم پر پتھر برسائے جوابا ہجوم میں سے کسی نے فائر کیا تو حمید مسیح موقع پر ہلاک ہو گیا، اُس کے گھر کے افراد اُسے اُٹھا کر گھر لے گئے یہ چھ افراد ابھی گھر کے اندر ہی تھے کہ مشتعل ہجوم نے مسیحی گھروں کو اگ لگا دی جس سے وہ زندہ جل گئے۔ بعض افراد کا کہنا تھا کہ مسیحی افراد کی طرف سے پہلے فائر کیا گیا جس سے ایک مسلمان شہید ہو گیا۔ تب مشتعل ہجوم نے آگ لگا دی۔ جس سے عیسائی کالونی کے 68 گھر اور اچرچ جل گئے۔

2: واقعہ گوجرہ کا تجزیہ: واقعہ کے چند نقاط غور طلب اور تجزیاتی مطالعہ کے حامل ہیں:

1: اسلام میں مقدسات کا احترام بڑی اہمیت کا حامل ہے، قرآن مسلمانوں کے نزدیک کلام اللہ اور مقدس کتاب ہے جس کا تعلق ایمانیات اور جذبات سے ہے۔ جب کوئی انسان قرآن کی بے حرمتی کرتا ہے تو ایک مسلمان کا دل رنجیدہ ہوتا ہے۔ کبھی یہ رنجیدگی، غصہ کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ نتیجتاً مقدسات کی بے حرمتی کی آڑ میں فتنہ، غارت گری اور معاشرتی بدامنی جیسی انسانیت سوز کاروائیاں شروع ہو جاتی ہیں جو کہ اسلام کو بدنام کرنے کا سبب بنتی ہیں۔ دنیا کے مختلف ممالک میں قرآن کی بے حرمتی کے واقعات ہوتے رہتے ہیں، پھر واقعہ کے خلاف مسلمانوں کی طرف سے احتجاج بھی کیا جاتا ہے۔ قرآن کی بے حرمتی کی دو وجوہ سامنے آئی ہیں، ایک غلطی کے سبب، انجانے میں قرآن

کے اوراق کو زمین پر پھینکنا یا جلا دینا، دوسرا جان بوجھ کر قرآن یا قرآن کا کچھ حصہ جلا دیا جائے، بے حرمتی کرتے ہوئے یا اِس غرض سے کہ لوگ مشتعل ہوں اور مذہبی فسادات بھڑک اُٹھیں۔ جس کے نتیجہ میں اسلام یا پاکستان دشمن عناصر اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب ہوں۔ ہر دو صورتوں میں مسلمان مشتعل

ہو کر غیر مسلم قوم کے افراد کے ساتھ وہ برتاؤ کرتے ہیں جو صریحا سیرتِ رسول ﷺ کے خلاف ہے۔ یہی کچھ گوجرہ کے واقعہ میں ہوا ہے۔

2: تحقیقی مواد سے معلوم ہوا ہے کہ یہ قرآن کے اوراق نہیں تھے بلکہ سکول کی نوٹ بک یا کتاب تھی جس پر قرآنی اٰیات مکتوب تھیں جو کہ بطورِ ردی کسی نے طالب مسیح کو فروخت کر دی۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ ان کتب میں سے کسی پیپر پر قرآنی اٰیات ہیں۔ مزید یہ کہ طالب مسیح یا کوریاں کی مسیحی برادری نے دانستہ طور پر قرآن کی بے حرمتی نہیں کی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر قرآن کی بے حرمتی دانستہ طور پر ہو تو شریعت اسلامیہ ایسے فرد کے لیے کیا سزا تجویز کرتی ہے جس کا تعلق اسلام کے علاوہ دوسرے دین سے ہے؟ جب کوئی مسلمان قرآن کے اوراق کو دانستہ طور پر زمین پر پھینکتا ہے تو شریعت اُس کے لیے کیا سزا تجویز کرتی ہے؟ یا مسلم برادری کے افراد اُس کے لیے کوئی سزا یا تنبیہ تجویز کرتے ہیں؟ بعض اوقات مسلم قوم کے کسی فرد سے جب نادانستہ طور پر بے حرمتی ہو جائے تو قرآنی اٰیات یا اوراق کو زمین پر سے اُٹھا کر چوم لینے اور محفوظ مقام پر رکھ لینے سے ایک مسلمان کی ایمانی تسکین ہوتی ہے۔ تو غیر مسلم کے نادانستہ طور پر کی جانے والی قرآن کی بے حرمتی پر مسلم سوسائٹی کے افراد اُسے ایک خطرناک سزا سے دوچار کیوں کرتے ہیں؟ شرعی طور پر یہ ایک بحث طلب موضوع ہے جس کے مقاصد اور نتائج سے امتِ مسلمہ کی راہنمائی ہو سکتی ہے۔

3: پاکستان ایک اسلامی ملک ہے جہاں ہر انسان کو اس کے دین کے مطابق پوری مذہبی آزادی حاصل ہے لیکن غور طلب پہلو یہ ہے کہ کیا پاکستانی مسلم برادری، معاشرے میں موجود مسیحی قوم کو "اھلِ کتاب" تسلیم کرنے پر تیار ہے؟ پاکستانی معاشرے کی مسلم برادری کی طرف سے اُن کو وہ حقوق ملتے ہیں جو نبی آخر الزمان ﷺ نے اپنے معاشرے میں موجود اھلِ نجران کی مسیحی برادری کو عطا کیے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اسلام نے مسیحی برادری کے لیے پُر امن معاشرت قائم کی ہے جس کی عملی تصویر تاریخ کے صفحات میں موجود ہے۔ مگر گوجرہ کا سانحہ اور مسیحی برادری پر حملہ قرآن کی بے حرمتی کی آڑ میں غیر اسلامی ہے۔

4: تین طبقات، سوشل کمیونٹی کے مقامی لیڈر، تاجر راہنما اور مقامی مذہبی لیڈر (علماء) نے مذکورہ بالا دونوں قسم کے احتجاج میں بھرپور کردار ادا کیا ہے، اِن تمام کا تعلق مسلم برادری سے ہے اگرچہ مسلم برادری کے کچھ ایسے افراد بھی تھے جو مسیحی افراد کو اپنے گھروں میں چھپنے کی جگہ دے رہے تھے۔ دینِ اسلام کسی مسلمان کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ ناحق کسی انسان کی جان اور مال کو تلف کرے۔ پہلے دونوں طبقات دینی تعلیم سے نابلد ہیں، تیسرا مذہبی طبقہ ہے جس سے مسلم امہ کے افراد دینی معاملات میں راہنمائی لیتے ہیں۔ اس طبقہ کی دینی تعلیم دو مراحل میں ہوتی ہے ایک ابتدائی تعلیم جس میں عربی کی فہم، سوجھ بوجھ اور فصاحت و بلاغت کے دروس شامل ہے، جبکہ دوسرا مرحلہ منتہی تعلیم کا ہے جس میں قرآن، حدیث اور فقہ کے دروس شامل ہیں، اس طبقہ کو ایک تیسرے مرحلۂ تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے وہ دعوتی اسلوب اور منہج سے واقفیت اور اس بابت تربیت سے تعلق رکھتا ہے تاکہ وہ یہ سمجھ سکے کہ معاشرے کے افراد (مسلم و غیر مسلم) میں دین کی ترویج و اشاعت کس

اندازسے کی جائے۔ اِس ضمن میں رسول اللہ ﷺ کا انداز و منہج ایک تجرباتی حیثیت سے سامنے رکھا جائے۔ مذہبی علماء کی تعلیم کا تعلق دین سے ہوتا ہے مگر دینی تعلیم کا بہت بڑا حصہ دینِ اسلام کے علاوہ دیگر ادیان کے ساتھ بھی منسلک ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی تیرہ سالہ مکی زندگی اور دس سالہ مدنی زندگی کا بہت بڑا حصہ دیگر ادیان کے پیروکاروں کے ساتھ برتاؤ، معاشرتی تعلقات اور اسلام کی تبلیغ کے مراحل پر محیط ہے۔ ہمارے مذہبی علماء دین کے اس گوشے سے نابلد ہوتے ہیں بلکہ کافروں کے عقائد وحالات سے واقفیت اور آگاہی حاصل کرنا بھی کفر خیال کیا جاتا ہے۔ دینی تعلیم کا وہ حصہ جو قرآن وحدیث اور فقہ پر مشتمل ہے اِس میں مہارت سے مسلم معاشرہ کے مسلم افراد کی تشنگی تو دور ہو سکتی ہے، مگر معاشرہ کے غیر مسلم افراد کے ساتھ برتاؤ کی ضرورت پیش آئے تو ''وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ''[31] کے حکمِ الٰہی کے مطابق اُن کے اَدیان اور خیالات کا جاننا ضروری ہے اور اِس ضرورت کے پیشِ نظر تمام تکنیک اور علوم پر دسترس بھی اہمیت کی حامل ہے۔ تاکہ اسلام کی خدمت کا جذبہ درست سمت پر رہے اور مسلم امہ کی نیک نامی کا سبب بنے۔

5۔ موجودہ دور کی بین الاقوامی کشیدگی اور جنگ و جدال کا تعلق، بالواسطہ یا بلاواسطہ مسلم امہ سے ہے۔ مسلم ممالک میں مسیحی عالمی قوتوں کی مداخلت کے سبب، مسلمانوں میں دیگر اھلِ ادیان، خاص طور پر مسیحی برادری کے لیے نفرت کے عناصر پائے جاتے ہیں۔ مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ عیسائیت، عددی اعتبار سے دنیا کا سب سے بڑا دین ہونے کے ناطے، اسلام کے خلاف ہمیشہ منفی رویہ اور پراپیگنڈہ کرتا رہا ہے۔ جس کا ردِ عمل، مقامی طور پر پاکستان کی مسیحی برادری کے ساتھ جھگڑا و فساد کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

6: تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ 295 سی توہینِ رسالت کے مجرم کے لیے کم سے کم سزا ''سزائے موت'' تجویز کرتی ہے۔ اس کا انگریزی متن یوں ہے۔

Use of derogatory remarks, etc., in respect of the Holy Prophet:
Whoever by words, either spoken or written, or by visible representation or by any imputation, innuendo, or insinuation, directly or indirectly, defiles the sacred name of the Holy Prophet Muhammad (peace be upon him) shall be punished with death, or imprisonment for life, and shall also be liable to fine[32]

جو بھی شخص الفاظ کی صورت میں گفتگو کرتے ہوئے یا تحریری طور پر، کنایات، اشاروں یا کسی بھی فعل کے ذریعے، براہ راست یا بالواسطہ توہین رسالت کا مرتکب ہوا اس کی سزا قتل ہے، یا عمر قید اور اس کے ساتھ جرمانہ۔

تحفظ ناموسِ رسالت کی خاطر تشکیل پانے والا یہ قانون مسلمانوں کی طویل جدوجہد اور قربانیوں کا ثمر ہے۔ مگر انسانی حقوق کی علمبردار تنظیمیں اس قانون کو آزادیِ ضمیر اور آزادیِ مذہب کے منافی تصور کرتے ہیں۔ بلکہ اِس پر مستزاد یہ کہ وہ اِسے 'ظالمانہ قانون' اور 'کالا قانون' کا ٹائٹل دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جناب نبی اکرم ﷺ کے ذات گرامی کے ساتھ ایک مسلمان کی عقیدت و محبت ہر دور میں شک و شبہ سے بالاتر رہی ہے۔ مسلمان اپنی تمام تر عملی کمزوریوں کے باوجود اسلام کے معاشرتی کردار پر بھرپور ایمان رکھتے ہیں اور پاکستان میں اِس کا نفاذ اپنا حق سمجھتے ہیں۔ 295-اِسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اِس قانون کے نفاذ میں کمزوریوں کا واقع ہونا فطری عمل ہے کیوں کہ کسی چیز میں سلبی پہلو کا موجود ہونا اُس کے وجود کی ضرورت و اہمیت کو ختم نہیں کرتا بلکہ اِس کے نقصان دینے والے پہلو کو اُجاگر کیا جائے اور اُس سے پیش آمدہ

نقصانات سے معاشرے کو محفوظ رکھنے کے لیے انتظام کیا جائے۔ تاکہ اُس کے فوائد سے معاشرہ مستفیض ہو سکے۔ یہاں پر بشپ آف پاکستان ڈاکٹر اعجاز عنایت کے تفصیلی انٹرویو کا ایک نقطہ ذکر کرنا ضروری ہو گا۔"میں توہینِ رسالت کے قانون کو ختم کرنے کے حق میں بالکل نہیں ہوں۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اسے اکثریت کی حمایت حاصل ہے اور اِسے موجود رہنا چاہیے۔ تاہم جو شخص الزام عائد کرتا ہے، اس کا سب سے پہلے پولو گرافک ٹسٹ ہونا چاہیے تاکہ یہ دیکھا جاسکے کہ وہ جھوٹ کہہ رہا ہے یا سچ۔ اِس کے علاوہ علماء کرام کی ایک ہائی پروفائل کمیٹی ہونی چاہیے جو یہ دیکھے کہ الزام کسی ذاتی دشمنی یا رنجش کی بنا پر تو عائد نہیں کیا جارہا؟[33]" یہ نقطہ نظر ظاہر کرتا ہے کہ اس کا استعمال درست سمت نہ ہو تو گوجرہ جیسے سانحات رونما ہوتے ہیں۔ پاکستانی معاشرے کی مسیحی برادری افراد توہینِ رسالت قانون کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں مگر اِس قانون کی آڑ میں مسیحی برادری پر خونی حملے اسلام اور پاکستان کو بدنام کرنے کی سازش بنتے ہیں۔

7: ظلم اور فتنہ گری کے لیے تعاون اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے اگرچہ معاشرے میں موجود غیر مسلم افراد کے لیے ہی کیوں نہ ہو، مذکورہ بالا معاہدہ نجران میں رسول اللہ ﷺ نے واضح کیا"ہم اُن کے خون، ان کی جانوں، ان کے مذہب، ان کی زمینوں، ان کے اموال، ان کے راہبوں اور پادریوں، ان کے موجود اور غیر موجود افراد، ان کے مویشیوں اور قافلوں اور اُن کے استھان (مذہبی ٹھکانے) وغیرہ کے ضامن اور ذمہ دار ہیں" لہٰذا ایک مسلمان جہاں بھی ظلم دیکھے اُس کے خلاف آواز بلند کرنا، اُسے روکنا اور حکمتِ عملی سے اُس ظلم کو ختم کرنے کی جدوجہد کرنا نیک کام میں تعاون ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر عبد الکریم زیدان لکھتے ہیں: والتعاون على إزالة منكر أو فساد أو ظلم أو صد عدوان ونحو ذلك كله من التعاون[34]۔ (برائی، فساد، ظلم اور تنازعات و دشمنی کو روکنا تعاون ہے اور اِس قسم کی تمام جدوجہد تعاون میں شمار ہوتی ہے)۔ تو ایک مسلمان کا تعاون ظلم، فساد اور غارت گری کے خاتمے کے لیے ہونا چاہیے نہ کہ انسانیت کو تباہی سے دوچار کرنے میں۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے معاشرے میں رہ کر اُسے امن، سکون اور سلامتی کا گہوارہ بنایا جبکہ غیر مسلم مسیحی بھی اُسی معاشرے کا حصہ تھے۔

نتائج البحث:

اس مقالہ میں بطور خاص جس پہلو کو زیر بحث لایا گیا ہے وہ مسلم–مسیحی تعامل ہے جو کہ شریعت اسلامیہ کی روشنی میں پاکستان میں گوجرہ کے مقام پر 2009 میں ہونے والے ایک حادثہ کے محرکات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اس مقالہ میں مندرجہ ذیل امور بطور نتائج پیش کیے جاسکتے ہیں:

1. شریعت اسلامیہ میں دیگرِ مذاہب کے متبعین کے ساتھ تعلقات استوار کرنے کی اجازت تو ہے مگر اس کیلئے کچھ حدود و قیود قرآن و حدیث میں بیان کی گئی ہیں۔
2. قرآن کریم نے مسیحیوں کے ساتھ ایک خاص طرح کا محبت اور پیار والا رشتہ رکھنے کی راہ نمائی کی ہے۔
3. رسول اللہ ﷺ نے دیگر اہل مذاہب کے ساتھ معاہدات بھی فرمائے تاکہ انھیں مسلم معاشرے میں رہنے کی آزادی ہو، اس کے علاوہ اُن کو تمام انسانی حقوق عطا کیے گئے، خاص طور مذہبی حقوق جیسا کہ ان کا مذہب چاہتا ہے۔
4. ایک معاشرے میں رہتے ہوئے جب مسلم–مسیحی افراد کا جھگڑا ہو جائے تو قرآن کریم نے اس کا حل اُن کی مذہبی کتاب کے مطابق

کرنے کا بھی منفرد طریقہ بتایا ہے تاکہ اس سے مسیحی فرد کی دل آزاری نہ ہو۔

5. قرآن نے مسیحی قوم کی مذہبی کتاب کا توصیفی کلمات میں بیانیہ دیا ہے جس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے معاشرے میں رہنے والے مسیحی شعار کی تعظیم کرنی چاہیے اس سے مسیحی بھی مسلم شعار کی تعظیم کریں گے جو کہ "التسامح الدینی" کا ایک سلسلہ قائم ہو سکے گا۔

6. گوجرہ کا واقعہ قرآن کی بے حرمتی کے سبب وقوع پذیر ہوا، مگر یہ بے حرمتی غلط فہمی کا نتیجہ تھی جس کی وجہ سے مشتعل افراد نے مسیحی اقلیتی افراد کی بستیوں پر حملہ کیا

7. شریعت اسلامیہ نے کبھی غیر مسلموں کے ساتھ اس طرح کا رویہ اختیار کرنے کی اجازت نہیں دی بلکہ اہل کتاب خاص طور پر مسیحی قوم کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ جبکہ تاریخ میں بھی یہ محفوظ ہے کہ مسیحی افراد نے مسلمانوں کے ساتھ اچھا برتاو کیا ہے۔

8. اسلامی شعار کی توہین کی سزا تعزیرات پاکستان کا حصہ ہے مگر یہ ایک قانونی طریقہ کار کے طور پر عدالتی فیصلہ سے وقوع پذیر ہو سکتی ہے۔ جس کی پاسداری ہر پاکستانی کی ذمہ داری ہے، بذات خود کوئی مسلمان تعزیرات پاکستان کے قانون کو نافذ نہیں کر سکتا بلکہ اسے عدالتی فیصلے کا ہی انتظار کرنا چاہیے۔ عملی طور پر مسلمانوں میں اسلامی تعلیمات کی اگاہی پوری طرح نہ ہونے کی وجہ سے حادثہ 2009 گوجرہ جیسے واقعات وقوع پذیر ہوتے ہیں اگر سیرت مطہرہ کے دروس کو عام کیا جائے اور دیگر مذاہب کے ساتھ اسلامی تعامل کو پیش نظر رکھا جائے تو ایسے واقعات میں کمی آسکتی ہے۔ اس کے علاوہ ایسے واقعات کے محرکات میں سیاسی اور ذاتی منفعت کا عنصر بھی پیش نظر رہنا چاہیے اور ایسے رویوں کی بھی حوصلہ شکنی کرنی چاہیے۔

حوالہ جات

[1] محمد خليفة حسن ، الدكتور ، الحوار بين الأديان : أهدافه وشروطه والموقف الإسلامي منه ،الأمارات المتحدة العربية: مركز زايد للتنسيق والمتابعة ، ص54.

[2] البقرة2:256

[3] الکفرون109:6

[4] يونس:99

[5]: Jamieson, Alan G., "Faith and Sword: A Short History of Christian–Muslim Conflict" (London: Reaktion Books, 2006), P14

[6] آل عمران 3: 112-113

[7] المائدة 5:66

[8] الحديد:27

[9] ابن هشام، السيرة النبوية، دارالكتب العلمية، بيروت، ج1، ص332

[10] المائدة 5:82

[11] الطبری، محمد بن جریر، جامع البیان فی تفسیر القرآن، دارالمعرفۃ، بیروت، ج2، ص347

[12] یونس: 57

[13] آل عمران 3:3

[14] المائدۃ5:46

[15] المائدۃ 5:47

[16] آل عمران3:84

[17] عنکبوت3:46

[18] ابن تیمیہ، شیخ الاسلام، الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح، مکتبۃ المدنی ومطبعتہا، جدہ، ج2، ص 76

[19] آل عمران3:64

[20] ابن ھشام، السیرۃ النبویۃ، ج1، ص222

[21] ایضا

[22] یہ وفد مکی دور میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور اُس مشہور وفدِ نجران سے پہلے آیا تھا جو مدینہ میں مباہلہ کے لیے آیا تھا۔

[23] ابن ھشام ،ص 391

[24] القصص: الآیۃ: ۵۵

[25] ابن ھشام ص549، و الزھری، محمد بن سعد، الطبقات الکبیر، مکتبۃ الخانجی، القاھرۃ، 2001، ج1، ص 249

[26] الطبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ج3، ص212

[27] الطبری، محمد بن جریر، ،تاریخ الأمم والملوك، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1407ھ، ج2، ص159

[28] Goddard, Hugh, "A History of Christian-Muslim Relations" (Chicago: New Amsterdam Books, 2000), p 30

[29] Ahmad, Sarfaraz,"*Saniha Gojra*"in Fifteen Days NAQIB Catholic LHR, V.81, 1-15.9.2009, Randryo Father Parvaze, lahore, P. 14-15. http://www.maati.tv/2012/05/14/gojra-inciden. and http://www.bbc.co.uk/urdu/pakistan/2009/08/090801_gojra_update.shtml

[30] العنکبوت:46

[31] دفعہ 295(سی) تعزیرات پاکستان کے مطابق کسی بھی قسم کی اہانت جناب رسول اللہ ﷺ کے متعلق قابل مواخذہ جرم ہے جس کی سزا قتل یا عمر قید کی سزا ہو گی اور اس کے علاوہ جرمانہ بھی عائد کیا جائے گا۔ اس حوالے سے اھل علم نے اس پر مختلف حوالوں سے نقد کیا ھے خاص طور پر وہ حضرات جن کے نزدیک سزا بطور حد لاگو ھوگی کیوں کہ حد کی صورت میں قاضی کے پاس اختیار نھیں ھوتا کہ وہ قتل کے علاوہ کوئی اور سزا دینے کا اختیار رکھتا ہو۔

[32] زاہد الراشدی، ابو عمار، "توہینِ رسالت کی سزا کا قانون" مشمولہ: "ماہنامہ الشریعہ" جلد22، شمارہ نمبر3، مارچ 2011ء، (گوجرانوالہ: الشریعہ اکادمی)

http://www.alsharia.org/mujalla/2011/mar/kalmahaq

[33] عبدالکریم زیدان، الدکتور، "اصول الدعوۃ" مکتبۃ البشائر، العمان، ص110